ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

مجلہ ہمایوں اور رومانوی تحریک

عبدالرسول ارشد(پی ایچ ڈی اسکالر)*
ڈاکٹر محمد ارشد اویسی**

Abstract:
In the progress of Urdu language and fiction, the Journal, Hamayoun by Bashir Ahmad and Romantic Movement played a prodigious role in the history. The most major a Romantic thought arrangement of Iqbal, Bashir Ahmad, Falak Paima etc. are tinted and an effort is made to firm the definite ideological characteristics of writers and also generate and determination to uniqueness the literally and historical involvement of Journal, Hamayoun, it is also described the important features of Yaldarm, Hijab Imtiaz, Akhtar Sherani, Josh, Hafeez, Abdul Rehman Bajnori, Saghar Nizami, Ahsan Danish, Hamid Ullah Afsar, Niaz Fath-e-Puri, Faiz, Sardar Jafery, Rashid and Manto. In this essay the character and relative between Romantic Movement, Hamayoun and above personalities. Additionally mythical contribution of Hamayoun linked to Romantic Movement is being define in the ancient perception.

Key Words: *Fiction, Romantic, Ideological, Characteristics, Determination, Literally, Historical.*

کلیدی الفاظ: ادب، رومانوی، نظریاتی، کردار، عزم، خواندگی، تاریخ

ملخص:

اُردو ادب کی ترویج و ترقی میں مجلہ ہمایوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ رومانوی تحریک رومانوی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ مجلہ ہمایوں میں لکھنے والے نامور ادباء اور شعراء نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اقبال، بشیر احمد، فلک پیما، یلدرم، حجاب امتیاز، اختر شیرانی، جوش حفیظ، عبدالرحمن بجنوری، ساغر نظامی، احسان دانش، حامد اللہ افسر، نیاز فتح پوری، فیض، سردار جعفری، راشد اور منٹو نے ہمایوں میں خوب لکھا اور رومانوی تحریک کو پروان چڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں سرسید احمد خان کی علی گڑھ تحریک عقیلت پسندی، مقصدی اور اصلاحی تحریک تھی۔ "تہذیب الاخلاق" میں عقیلت، معنویت، استدلال اور منطقیت موجود تھی۔ "تہذیب الاخلاق" میں شائع ہونے والا ادب مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو اہمیت دیتا تھا۔ ان احساسات اور جذبے کے خلاف ایک ردِ عمل دیکھتے ہیں آیا، جس کو علی گڑھ تحریک نے بھی روکنے کی کوشش کی لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی اس ردِ عمل میں پیدا ہونے والی تحریک کو رومانوی تحریک کہتے ہیں۔ سرسید کی تحریک نے جہاں اُردو ادب کو حقیقت شناسی اور مقصدیت سے آگاہی دی وہاں جذبات کو شدید ٹھیس پہنچائی۔ یہ بات درست ہے کہ سرسید کی ادبی تحریک نے ادبی خلا کو پُر کیا لیکن تخیل سے بھی اسے محروم کر دیا کیونکہ ادب محتاج تخیل ہے۔ برصغیر کے سیاسی حالات بھی اس کے متقاضی تھے کہ انگریزوں سے نجات حاصل کی جائے اور اسطرح سیاسی حالات رومانی تحریک کے فروغ کا باعث بنے۔

اُردو ادب میں حالی، شبلی، آزاد اور اقبال نے انگریزی ادب کے رجحانات سے بھی اردو ادب کو متعارف کروایا۔ برطانیہ میں اٹھارہویں صدی کے وسط تک جدید سائنسی نظریات انسانی عقل کے تابع تھے۔ دورِ وکٹوریہ (۲۴ مئی ۱۸۱۹ء تا ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء) اور اس کے عہدِ حکومت کے ۶۳ سال (۲۰ جون ۱۸۳۷ء تا ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء) میں کلاسکی تحریک نے جہاں مادی نظریات کو فروغ دیا وہاں اس نے انسانی جذبات احساسات کو مجروع کیا راہ فراریت اختیار کرنے والے احساس اذہان نے نئے راستے تلاش کیے اور اسطرح رومانی تحریک کا آغاز ہوا۔

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی
** صدر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

ڈاکٹر عبداللہ سید نے رومانیت کے مفہوم کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"رومانیت کا ایک ڈھیلا ڈھالا سا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسے اسلوب اظہار یا انداز احساس کا اظہار کرتی ہے جس میں فکر کے مقابلے میں تخیل کی گرفت مضبوط ہو، رسم وروایت کی تقلید سے آزادی خیالات کو سیلاب کی طرح جدھر ان کا رخ ہو، آزادی سے بہنے دیا جائے"۔[۱]

اروِنگ بیٹ نے رومانویت پر مبنی سوچ کے اہم پہلو کے بارے میں لکھا ہے:

"رومانوی ذہن اپنی مثالی دنیا کے تصور میں سرشار گردوپیش کی ٹھوس حقیقتوں سے قطع نظر کرنا چاہتا ہے"۔[۲]

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رومانیت کی ابتدا کا سہرا روسو جو عظیم مفکر تھا اسکے سر ہے۔ روسو کا خیال تھا کہ علم انسان کو بہتر کرنے کی بجائے اسے ہوشیار کر دیتا ہے فلسفہ بنیادی اور اخلاقی لحاظ سے بیمار اور شعور محرومی کے احساس سے دوچار کرتا ہے۔ عقل کبھی بھی تخیل کی قوت سے فوقیت حاصل نہیں کر سکتی۔ دوسرے عقلی، مشاہداتی اور سائنسی دنیا میں فرد کی بے بسی، یکسانیت اور جذبات کی عدم تسکین سے بیزار ہو کر رومانی تحریک کا علم بغاوت بلند کیا۔ بعد ازاں شیلے، ہرنزولیم، بلیک کالرج گوئٹے، اور ورڈزورتھ کی اس تحریک میں شمولیت ہو جاتی ہے۔ رومانوی تحریک کی ترقی کے لئے شکیپئر نے اپنا ایک خاص کردار ادا کیا، حالانکہ وہ کسی یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل نہیں تھا، اس کے باوجود وہ ادبی تخلیقات میں ایک عظیم رتبے پر فائز ہوا اور ایک ایسے نظریے کی تقویت کا باعث بن کر تخلیق کا رشتہ یا تعلق کسی ایسی طاقت کے ساتھ منسلک ہے جو پس پردہ رہ کر اپنی لطافت پیش کرتی ہے۔ پاشار حمن اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"تاریخ میں ان کی مثال قلب انسانی کے گھٹنے اور بڑھنے کی حرکت سے دی جاسکتی ہے۔ کلاسیکی ادب کی تحریک نظم وضبط، مختلف اشیا کے امتزاج فکر جذبات اور عمل کو ایک ترتیب کی طرف لے جاتی ہے لیکن رومانوی تحریک کا دائرہ وسیع ہے اور یہ تحریک اہل قلم کو کلاسیکی ادب کے مقررہ اصول کے خلاف آزادہ روی اور شدت کی طرف لے جاتی ہے"۔ [۳]

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں پوپ اور ڈرائڈن کے ہاتھوں شاعری ضابطوں کی پابند ہو کر رہ گئی، جس سے تجربے کی اصلیت، جوش، شعریت اور جذبات کی طرف توجہ نہیں رہی۔ فرانس میں سب سے پہلے روسو نے ان قوانین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ جرمنی میں شلیے اور شیگل نے رومانوی خیالات کی ترویج کی انگریزی میں ورڈزورتھ اور کولرج کی شاعری رومانوی ہے۔

یورپ میں رومانی تحریک کا بنیادی اور ٹھوس محرک "انقلاب فرانس" کو سمجھا جاتا ہے۔ نئی سلطنت اور حکومت کے حکام نے پرانے جاگیرداری نظام کو فروغ دیا جس کی وجہ سے لوگ عدم مساوات اور مایوسی کا شکار ہو گئے۔ افراتفری کی زندگی کے خلاف یہ ایک ایسا بیانیہ تھا جس نے فرد کو کیف و مستی سے سرشار کیا اور اسے شعور سے لاشعور کا مسافر بنایا۔ بقول شارب ردولوی:

"رومانی تحریک نفسیاتی رجحانات سے پہلے وجود میں آئی اور رومانی نظریات ہی وسعت پاکر ادب میں نفسیاتی نظریے کو جنم دیا"۔[۴]

وہ آگے ویلک (Wellek) کے حوالے سے رومانونیت کی تاریخ وتفہیم یوں واضح کرتے ہیں:

"۔۔۔۔۔وسیع مفہوم میں یہ نوکلاسکیت کے خلاف ایک بغاوت تھی جس کا مطلب لاطینی روایات کو ترک کر کے شاعری میں ان نظریوں کو لانا تھا جن پر تاثرات اور جذبات کی ترجمانی کی بنیاد ہو۔ یہ ۱۸ویں صدی سے شروع ہوئی اور ایک عظیم سیلاب کی طرح مغرب کے تمام ملکوں میں پھیل گئی"۔ [۵]

رومانوی تحریک میں مدت کا رنگ نمایاں ہے اور یہ کلاسکیت کی ضد ہے اس سلسلے میں انور سدید اس کا تعارف اسطرح پیش کرتے ہیں:

"ذہنی تلاطم کے دور میں جو تحریک وجود میں آتی ہے اس میں حرکت اور عمل کا عنصر نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہ آگے کی طرف لپکتے اور فرد کے بکھرے ہوئے جذبات کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتی ہیں۔ تنوع حرکت اور خوابناک کیفیت کے اس زاویے سے تحریک کے پیش نظر مستقبل زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے بالعموم رومانی تحریک کا نام دیا جاتا ہے"۔ [۶]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

عبد اللہ ڈاکٹر سید تحریک رومانویت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے نظر آتے ہیں:

"سر سید کی بے انتہا مقصدیت کے بعد اودھ پنچ اور اکبر الہ آبادی کا ظہور بالکل قدرتی اور ناگزیر تھا۔ یہاں تک کہ خود پیروان سر سید کے یہاں سے شرر کی تاریخی ناول نگاری اور علی گڑھ کی رومانیت بے ساختہ طور پر ابھر آئی"۔ [۷]

انور سدید کے خیال میں ادب دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور کلاسکیل تحریک کے برعکس ایک تصوراتی اور خیالی سو رنگ رکھتی ہے

انور سدید نے روسو کو رومانیت کا مطلع اول قرار دیتے ہوئے اس کے خیالات کی وضاحت بھی کی ہے۔ جو اس طرح ہے۔

"رومانیت کی ابتدا بالعموم ایک ایسے شخص سے منسوب ہوتی ہے جس کی ذہانت کو اس کے عہد نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کا نام روسو ہے اس عہد کے ایک اور مفکر والٹئیر نے کائنات کو روزن زنداں سے دیکھا تھا روسو نے کائنات کو زنداں تصور کیا اور آزادی کا مرجع دل کو بنایا جس میں انسان کا آزاد تخیل خارج کے جبر سے آزاد تھا۔ روسو کا خیال تھا کہ علم انسان کو بہتر بنانے کے بجائے ہشیار بنا دیتا ہے فلسفہ اخلاقی طور پر بیمار اور شعور محرومی کے احساس سے دوچار کرتا ہے۔ لہذا تخیل کی قوت عقل پر ہر لحاظ فوقیت رکھتی ہے روسو کے یہ خیالات انقلابی تھے اور اس کی یہ منفرد آواز کہ "انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جہاں دیکھو پابہ زنجیر ہے" بلند ہوئی تو اسے رومانیت کا مطلع اول قرار دیا گیا"۔ [۸]

اُن کے مطابق رومانیت چار حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ قبل مسیح کے نزدیک یونان سے اپنا آغاز کرتی ہے یہاں وہ رومانوی ہے۔ دوسری بڑی تحریک پہلی صدی قبل مسیح کے لگ بھگ نظر آتی ہے۔ لونجائنس (Longinus) نے ادب کو غیر ارضی پیش کیا۔ تیسری روسو کے نظریات سے جنم لیتی ہے اور چوتھی تحریک انیسویں صدی کے ربع آخر میں مشینی زندگی کے خلاف فرد کی صدائے احتجاج سے پیدا ہوئی۔

اسلوب احمد انصاری کے خیال ہے کہ:

"اُردو ادب میں رومانیت کسی باقاعدہ تحریک کی شکل میں پروان نہیں چڑھی نہ جہاں اس مصنوعی کلاسیکیت Pesudo Classicism کا کوئی پس منظر موجود تھا۔ جیسا کہ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ابھری اور جس نے کلاسیکیت کا جامۂ پارینہ کو تار تار کر دیا۔ لیکن اگر رومانیت کسی دور، مکتب خیال یا گروہ سے مختص ہونے کے بجائے ایک انداز فکر کے مترادف ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس انداز فکر کے گہرے ہلکے نقوش ان تمام نگارشات کا طرہ امتیاز ہیں جو رومانی نثر کہلاتی جا سکتی ہیں"۔ [۹]

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کا خیال ہے:

"رومانوی ذہن کی نفسیات میں دلچسپی نے فن میں اشاریت کی نئی صنعت دریافت کی۔ نئے نفسیاتی زاویہ نظر نے یہ ثابت کیا کہ فن کا مقصد ذہن میں ایک خاص حرکت اور مخصوص رد عمل بیدار کرنا ہے"۔ [۱۰]

رومانی ادیبوں، شعرا کے بارے میں شاداب ردولوی اپنا اظہار خیال اس طرح کرتے ہیں:

"جہاں تک اُردو ادب کے رومانوی ادیبوں، شاعروں اور ناقدوں کا تعلق ہے ان میں اقبال، ابوالکلام آزاد، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری، مہدی افادی، سجاد انصاری، قاضی عبدالغفار، اختر شیرانی، عبدالرحمن بجنوری کے نام سب سے اہم ہیں"۔ [۱۱]

ابتداء میں مجلہ ہمایوں نے اپنی تحریروں میں رومانیت کے بارے میں لکھا۔ گوئٹے نے لکھا ہے کہ رومانیت ایک مرض ہے اس کے نزدیک اچھا ادب پارہ وہ ہوتا ہے جو کلاسیکیت پر مبنی ہو۔ لیکن خود گوئٹے کی دو کتابوں میں بھی رومانیت پائی جاتی ہے۔ رومانیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فکر کے مقابلے میں تخیل کی اہمیت زیادہ ہے۔ رومانی تخیل کی تعریف لافونیتن نے اس طرح کی ہے:

"یہ دن کے سامنے خواب ہوتے ہیں ان خوابوں کا تجربہ کرنے والے وہ بھی ہوتے ہیں جن کی نیم مدہوشیاں حکمت کا نشریہ ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی جو احمقوں کی جنت کے پاس ہوتے ہیں۔ مگر یہ خواب ہسرے میں شیریں اور بڑے ہی سہانے ہوتے ہیں۔ اسے

Vol 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سراب کہیے یا فریب خیال۔ ہم اس کی رو میں بہہ جاتے ہیں ہم اپنی ہستی کو کچھ زیادہ ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں اپنا ستارہ کچھ زیادہ ہی چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا کی ہر قیمتی اور ہر حسین شے ہمارے لئے بنی ہے اور بس ہماری ہی ہے"۔[۱۲]

یورپ میں اس تحریک میں حصہ لینے والے روسو، شیلے، ہیوگو، کیٹس وغیرہ ہیں۔ ہمایوں کے رسالے میں لکھنے والے ابتداء میں رومانیت پر لکھتے رہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جو بیگم شاہنواز کے روزنامچہ سے لیا گیا ہے۔

"وسط سمندر میں جہاز کا چلنا، چاروں طرف پانی ہی پانی میں پہروں سامنے کے حصے میں چلی جاتی ہیں اور جنگلے پر کھڑی ہو کر لہروں کا تماشا دیکھتی رہتی ہیں پانی ہر روز نئے رنگ تبدیل کرتا ہے میرے دل و دماغ میں ایک تلاطم برپا ہے۔ بعض خیالات ہیں کہ طوفان بن کر اٹھتے ہیں خدا ہی خیر کرے! شام کو ایک اطمینان و سکون دل اور دماغ پر طاری ہو جاتا ہے"۔

"آج سمندر میں طوفان ہے، سیاہ گھٹا چھائی ہوئی ہے کہیں کہیں بارش ہونے لگی ہے نیلا آسمان نیلگون سمندری لہروں کا آسمان سے باتیں کرنا جہاز کا گویا پہاڑ اور وادیوں کا عبور کرنا کس قدر دلفریب سماں ہے۔ لہریں دو رویہ پر آتی ہیں اور ہر شے کو صاف اور شفاف بنا جاتی ہیں"۔[۱۳]

مندرجہ بالا تحریروں کو پڑھ کر فطرت کے ساتھ پیار کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ فطرت کی رنگینیوں میں ڈوب جائے۔ اس کے دل میں ہر وقت دنیاومافیہا سے بے خبر ہو کر فطرت کی گود میں سو جانے کی آرزو رہتی ہے۔ وہ حقائق کی دنیا سے دور بھاگنے کی خواہش رکھتا ہے۔

"دنیا کے تمام اندھیرے تیرے تصور کی روشنی میں کافور ہو جاتے اور اس ظلمت کدے کا زرہ زرہ چمکنے لگتا ہے غم و حرمان کے انباروں کے نیچے دبا ہوا تیری محبت کا خزانہ ملا جس نے مجھے مالا مال کر دیا۔ میری کچھ ہستی ہو نہ ہو یہ مسرت کیا کم ہے کہ تم ہے اور بہت کمال ہے اور ہمیشہ رہے گا، تمام تمکیلوں کے ساتھ۔۔۔ گوہر یا مضامین دماغ کی سیر کو کبھی کبھی آتے ہیں۔ جب آئیں فوراًان پر قابو پالو۔ ورنہ وہ آہوئے دم خوردہ کی طرح بھاگ جائیں گے۔ زندگی میں روشن لمحے زندگی کی سیر کو کبھی کبھی آتے ہیں جب آئیں ان سے کامل مسرت اٹھالو۔ ورنہ محروم رہ جاؤ گئے"۔[۱۴]

"ہمایوں" نے تخلیقی ادب کو منظم کرنے اور رومانوی ادباء کو ایک صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت کے مصنفین اور مرتبین کے ہاتھ کا جو رومانوی تحریک اپنے بام عروج پر پہنچی تھی اب اس میں وہ دم خم کم ہو چکا تھا۔ نیاز فتح پوری اور حجاب امتیاز کا دور بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ نئی رومانویت میں جذباتیت غالب اور خود فراموشی اور ماورائیت مغلوب ہو گئی تھی۔

بشیر احمد اور فلک پیما میاں عبدالعزیز کے نثر پاروں میں مجرد احساس کے نقوش نظر آتے ہیں۔ حسن بیان، احساس کی نزاکت، ان کی نرمی، سادگی اور کیفیت کی بنیادی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ لیکن پھر بھی ان نثر پاروں میں خود فراموشی اور ماورائیت کی بجائے افہام ادراک کی کوشش نظر آتی ہے۔ یہ خوبصورت اسلوب کی محض تحریریں نہیں ہیں بلکہ یہ حقیقت اور صداقت پر مبنی ہیں ان نگارشات میں اخلاقیات، شاعرانہ احساس اور لطف بیان تو موجود ہے مگر ان کو اگر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ خود فراموشی کی بجائے خود آگہی کے مظاہر ہیں۔ اس نئی رومانونیت کے زیر اثر جوش ملیح آبادی کے نثری مضامین بھی جگہ پاتے ہیں۔

فلک پیما میاں عبدالعزیز کے مضامین میں روحانی ماورائیت موجود ہے۔ اگرچہ ان کے مضامین مجرد احساسات اور عمومی خیالات کے تسلسل کا شاہکار ہیں لیکن ان میں جہاں صداقت کا عنصر موجود ہے وہاں ان میں حسن کاری اور ماورائی تصورات بھی شامل ہیں۔ ان کی تحریروں میں ٹیگور کے اثرات، مشرقی آداب اور اسلوب کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

"مسافر ہوں، سڑک ناہموار، روشنی غائب اور تنہائی، لڑھکتا ہوں، بھٹکتا ہوں، مگر چلتا جاتا ہوں۔ رک نہیں سکتا، ٹھہر نہیں سکتا، اپنے زعم میں آگے کو چل دیا ہوں۔۔۔ اپنے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ سامنے آسماں پر تارہ ہے اسی پر نگاہ جمائے آگے بڑھتا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

گیا تو ضرور منزل مقصود کی جانب بڑھے جاؤں گا۔ اگر کوئی یقین ہے تو یہ ہے کہ ماحول کی تاریکی دھوکا دیدے تو دے مگر آسماں کا تارا گمراہ نہیں کر سکتا ہے۔ پو پھٹنے کو ہے۔ دھندلی سے روشنی نظر آتی ہے جہاں سے چلا تھا وہیں ہوں اور قصہ ختم "۔[۱۵]

بشیر احمد کے ہاں ایسی کیفیت نثر میں موجود ہے۔ جب اصغر بشیر کا انتقال ہوتا ہے تو وہ اس موقع پر ان کے ہاں مضامین میں جذباتی غلو، اندازِ بیان کا حسن اور لطافت ملتی ہے۔ کشمیر پر ایک مضمون کا حصہ ملاحظہ کیجیے۔

"یہ سب کچھ آہ وہ دل نہیں جو خود بخود محسوس کرلے جو ایک معمولی نظارہ میں حقیقت کی ایک جھلک دیکھ پائے۔ فطرت کا ایک سادہ ورق کہ اسکی رنگینیوں کا نقش لینے کے لئے ہر لحہ موزوں ہو اور نیا ------ کشمیر تیرے قدرتی نظاروں کی خوشیاں نہ سہی کاش میں تیری اس روندی ہوئی انسانیت کا غم ہی محسوس کر سکوں۔ اس فردوس پر روئے زمین کی جنت نمائی سے متاثر نہ ہوں نہ سہی میں اس جنت ارضی کے شعلوں سے اپنے سرد مزاج دل کو گرمائے ہی دوں۔ اک ذرا اے کاش "۔[۱۶]

درج بالا نثر پارہ میں احساسات کا خلوص، جذبے کی پاکیزگی کے سوا ان میں فکریات کی گہرائی نہیں ملتی----۔ البتہ یہ وہی روحانی گمشدگی ہے جیسے صرف دولتِ احساس اور جو تصورات مجرد ہیں وہ حسن کاری کی متاع کے طور پر دیکھنے کو آئی ہے۔ ادراک اور شعور سے ماورائی دیکھتے ہیں نہیں آتی لیکن اردو نثر کو سادگی، سلاست، روانی، مشیرتی اور اسکی لطافت کی روایت کو یام عروج تک پہنچانے کے لئے فلک پیما اور میاں بشیر احمد نے خاطر خواہ اپنا حصہ ضرور شامل کیا ہے۔

یلدرم کے نثری مضامین نے اُردو ادب میں رومانویت کے فروغ میں با اصول اسلوب کے ساتھ شروعات کیں۔ تخیل کی پرواز یلدرم کی تحریروں میں جا بجا نظر آتی ہیں ان کی نثری تحریریں نہ ساجری وجدین کی حامل ہیں اور نہ پیغمبرانہ صفت کی حامل ہیں ان میں ایک تخیل کی موج ہے۔ ادبی نثر پاروں میں کیفیت اور لطافت کو صحیح مقام پر یلدرم نے رکھا۔ ان کی تحریریں ابوالکلام کی نثر کی طرح خطیبانہ اور مقصدیت نہیں رکھتی۔ بلکہ ان کی تحریر اپنے عکس میں اپنے آپ کو دیکھتی اور سنورتی ہیں۔ مزاق سلیم کی آبیاری کے لئے یلدرم کی تحریریں موزوں ہیں اور ان تحریروں کی لطافت و چاشنی کسی اور ادب کی چھاپ کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیتی۔ یلدرم کے افسانوں، انشائیوں میں رومانویت موجود ہے۔ ان کے افسانوں میں ایک مخصوص افسانوی رومانوی ہم آہنگی موجود ہے۔ ارضی تخیل ان کے افسانوں میں نہیں ہے بلکہ یلدرم کی فکر کا بنیادی آہنگ ماورائیت پر مبنی ہے۔

"وہ عندلیب خوش الحان جس کے عرفان پاش نغمے اس کی قفس کی تجلیوں سے نکل نکل کے ایک عالم کو مسحور کر رہے تھے یکا یک خاموش ہوگئی۔ نغمے فضا میں متلاطم ہیں، مگر عندلیب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساکت۔ وہ حقیقت طراز مگر شیریں آواز سراپردہ دولت کے پیچھے سے (جہاں سے بامعنے خندہ اور فضول مکالمہ کے سوا کچھ کم سنائی دیتا ہے) سنا رہی تھی کہ صدق وصفا، علم وعرفان، سوزوالتہاب، درد وگداز کیا ہیں اور صدق وصفا، علم وعرفاں اور درد و گداز سوگوار ہیں کہ انکی مشاطہ انکو دلآویز آرائشوں میں اب پیش نہ کریگی "۔ [۱۷]

اس اقتباس میں وہ تخیل کی فردوس میں محو ہیں۔ زندگی میں موجود تخیلی لطافتوں کی ایک ماورائی حسرت مخفی ہے۔ یلدرم نے اپنی تخیل کی دنیا کو بیسویں صدی کے مغربی تہذیب یافتہ ذہن کی دنیا بنائی ہے اور شعور پوری لطافت کے ساتھ ملتا ہے یلدرم کے کرداروں میں خوش مذاق، مذاق سلیم اور لطافت پوری چاشنی کے ساتھ موجود ہے۔ یلدرم کے کردار میں جمالیات، ذہانت، تخیل پرستی اور ماورائیت مغربی طرز کی تو ہے۔ یہ آدرش کے سانچے ایسا لگا ہے کہ مغرب سے مستعار لئے ہوں لیکن یہ آدرش مشرقی تمدن میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ یلدرم کے انداز بیان میں خوش سلیقگی، تراکیب کا لطیف اجتہاد، ہندوستانی تہذیب سے گہری دل بستگی، ایرانی اور ترکی تصورات کی افراط اور ان کی مخصوص لطافت موجود ہے۔ ان کے اسلوب میں تشبیہات کا مرصع ہونا، پختگی اور رمزیت اور محاکاتی خاکے لطافت کے دریا ہیں۔ ایک منظر دیکھئے۔

"وہ ایک عندلیب تھی، جو قفس میں پیدا ہوئی قفس میں جی اور اس نے قفس ہی میں دم توڑا۔ اس چند گز نیلگوں آسماں کے سوا جو اس کے صحن خانہ پر اس نے فطرت کی زیبائش، آفریدۂ انسان کی آرائش نہ دیکھی، آفتاب جو دنیا کو زندگی اور حرارت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

۔۔۔۔۔۔ہے، تتلیوں سے پھنسے ہوئے کپڑے سے گزر نہ سکا۔ لیکن نور اس کے قلبِ منور نے ایک شمع روشن کی جس نے اسے باہر کے نور سے بے نیاز کر دیا۔ شمع تخیل "۔[۱۸]

یلدرم میں رومانوی ادیب کی جمالیاتی تکمیل کی خواہش جب جلوہ افروز ہوتی ہے تو ان کی تخلیقات میں با آسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ سلسبیل قمر، قطرہ سعادت، طغیان غرور اور اسطرح کی دوسری اہم تراکیب ان کے تصرف کا نتیجہ ہیں۔ وہ عورت کو خوش مذاقی کی دلیل، لطافت اور زندگی کے صحت مند تصورت کی علامت سمجھتے ہیں۔ عورت کو یلدرم نے ایک ایسا مجسمہ پیش کیا ہے۔ جس سے نسائیت، شعریت اور لطاقت کی صفات موجود ہیں۔ وہ صوفیانہ عشق، میر کی یاسیت، داغ کی عیاش طبعی کے قائل نہیں ہیں۔ یلدرم کے افسانوں میں رومانوی تحریک کے اثرات واضح ملتے ہیں۔ ان کے محاسن اور معائب، جذباتیت، ماورائی حسن کی تلاش، خیالستان کو آباد کرنا فراریت یہ سب اُن کے ہاں موجود ہیں۔

"چاند نے کہا کہ جون کے مہینہ میں جبکہ ریگستان آتش دیات سے متحرک ہوتا ہے میں ایک رات اس سنہرے ریت کے سمندر پر جس میں اہرام خوابیدہ ہیں، ان ہلکے بادلوں میں نیگلوں آسمان پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔۔ دریائے نیل کے سبزی مائل ست کرام پانی کی سطح منور پر میرا چہرا کنارے کی ناشادابیوں میں سے چھن چھن کر پھسلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور میں خود اس کی سیر کرتا ہوں۔ اس لیے کہ میری روح میں اک نقطہ عمیق وحاکم نقطہ خالی تھا"۔[۱۹]

"اس نقطہ کو نہ دولت کی شان، نہ انسانوں کی بندگی، نہ ان کے خون اور نہ اجرام فلکی بھر سکتے تھے، وہ نقطہ ایک ایسے وجود، ایک ایسے رفیق کو ڈھونڈھتا تھا جو میری زندگی کے باریک ترین عنصر میں سکون وحظ پیدا کرے۔ اک دن میں اپنے باغیچہ کے سب سے زیادہ رنگین سب سے زیادہ چمکیلے پھولوں کے دستے میں لیٹی ہوئی تھی کہ میرے کانوں کو سپائیوں کی ہائے، اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ یہ سپاہی ارض فلسطین سے فاتحانہ واپس ہو رہے تھے اور ان کے نعرے بابل سے گونج رہے تھے"۔ [۲۰]

خلیقی کے مجموعہ کا پیش لفظ اختر شیرانی نے تحریر کیا ہے اور اختر شیرانی اُردو ادب میں رومانوی تحریک کے عمدہ تخلیق کار ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اُردو ادب کی دنیا میں جو رسوائیاں میری ہرزہ نگاریوں کو نصیب ہو چکی ہیں یہ سب کچھ حقیقتاً محض خلیقی دہلوی کی نگارشاتِ جمیل کے موثرات ہیں"۔[۲۱]

خلیقی کی نگارشات جمیل کا ہمایوں میں جائزہ لیں تو اس پر مغربی رومان کا واضح اثر دیکھنے کو ملتا ہے ان کے حسن پارے یہاں کثرت سے ملیں گے جو کیٹس، شیلے اور ٹیگور کے ترجمے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی ادبی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیقی کے انداز بیان میں رومانوی تاثر کے ساتھ ساتھ مشرقی اندازِ فکر بھی ملتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی تشبیہ ارضی نہیں اور نہ ہی حقیقی، وہ زندگی کو محبت اور جستجو حسن کے سوا کچھ نہیں سمجھتا اور وہ حسن کو نسائیت کا نام دیتا ہے۔ خلیقی کے ہاں رومانوی کرب ایک ابدی اور مستقل درد کی محرومی کے علاوہ کچھ نہیں اس کرب کو زندگی کا حاصل اور آدرش کی جھلکیوں کے لئے بے چین ہے جو لا حاصل ہے جسکی تکمیل نہیں ہے۔ خلیقی کے موضوعات نسائیت کے حوالے سے ہیں۔ ان کے اسلوب تخلیقی جذبے تو رکھتے ہیں لیکن سنجیدہ فکر سے خالی ہیں۔ خلیقی دہلوی کے مجلہ ہمایوں میں انشایئے "ندرت ذوق و نظر" کے عنوان سے جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئے۔

جوش کے ہاں جمالیات اور تلاش حسن موجود ہے۔ ان کے اسلوب میں رومانویت کی ہیبت مہم آفسردگی، نسوانیت اور ماروائیت نہیں بلکہ انقلابی صورت بھی ملتی ہے۔ وہ شاعر فطرت ہیں۔ عبادت بریلوی کا کہنا ہے کہ "جوش بیک وقت شاعر شباب بھی ہیں اور شاعر انقلاب بھی" رومانوی مزاج کی حامل شاعری میں دل و دماغ میں کشمکش پائی جاتی ہے جو کہ جوش کے کلام میں موجود ہے۔ ان کی شاعری میں جذبات غالب ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے ساتھ نظریاتی طور پر وابستگی ہونے کے باوجود فطری طور پر ان کا میلان رومانویت کی جانب تھا۔ جوش کی شاعری میں حسن و عشق، فطرت سے وابستگی اور محبت، صداقت انقلاب اور شباب، منظر نگاری، جذبات کی شدت، زبان و بیان پر دسترس، حسن و رمان کی فراوانی، اسلوب میں ندرت اور ضائع بدائع کا استعمال ہوا ہے۔ ان کی نظموں میں رومانوی اندازِ فکر کے تمام پہلو موجود ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظمیں "بسنت مارچ ۱۹۳۸ سازِ نشاط نومبر ۱۹۳۴ انتظارِ تبسم اپریل ۱۹۲۷، جامن والیاں مارچ ۱۹۳۵ "وغیرہ شائع ہوئی ہیں۔ یہ سلطان حیدر جوش کے لفظی مرقع نگاری اور رومانی شاعری کی بہترین مثال ہیں۔ جوش اپنے عشق میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

شبابیات کو داخل کرتا ہے اور وہ عشق میں توازن کی بجائے سر مستی اور خود فراموشی کو اہمیت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جذباتی احساسات ان کے نزدیک ادراک کا منبع ہیں۔ ان کے ہاں معاشرتی انقلاب کی ضرورت کا حقیقتاً رومانوی احساس نظر آتا ہے۔ انفرادیت کی عظمت، احساس برتری سیاسی اور غلامی سے مجروح ہوتے ہیں اس سے جوش کی انقلابی کی شاعری میں سیاسی مسائل کے ادراک کو وہ واقعیت کے رنگ میں نہیں دیکھتے۔ انہوں نے اپنے کلام میں فلسفیانہ اور حکیمانہ شعور کو جگہ ضرور دی ہے لیکن ان کا بنیادی نغمہ رومانوی ہے۔ ان کی فکر اور فن کی مختلف ارتقائی منازل، رجحانات اور ادوار ہیں۔ ان کی شاعری میں اگر تشبیہوں کی لطافت اور تسلسل کا بغور جائزہ لیں تو ان میں اشیاء کی کیفیات، کلاسیکل فن کی جگہ تاثراتی فن جو واقعیت کا رنگ رکھتی ہیں موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

علامہ اقبال اور پریم چند کی دو آوازیں بھی اس مقام پر شامل ہو جاتی ہیں۔ جنھوں نے اُردو ادب پر دور س اثرات مرتب کیے۔ ان تحریکوں کے پھلنے پھولنے میں ہمایوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ہمایوں میں علامہ اقبال اور پریم چند کی بے شمار تحریریں شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے اُردو ادب کو دقیانوسی تصورات و خیالات سے نجات دلوائی اقبال نے فن برائے فن کے نظریے کی سخت مخالفت کی اور اس کو افیون کی چسکی کہا۔ اقبال کے نزدیک شاعری اور فن پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ زندگی کی دوڑ میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرے۔ اس طرح اُردو افسانہ نگاری کی ابتدا پریم چند نے کی۔ ہندوستان کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے نچلے طبقے کے لوگوں یعنی کسانوں کی زندگی کے مسائل کے بارے میں قلم اٹھایا۔ انہوں نے مثالوں اور تصورات کی دنیا سے ہٹ کر حقیقت نگاری کی طرف رخ کیا۔ انہوں نے اس دور میں کسانوں کی زندگی اور معیشت کے پرانے ڈھانچے کے بارے میں لکھا جب اقتدار کے خلاف قوم برسرِ پیکار تھی۔ ایسی تحریک جس نے ہندوستان کے ہر باشعور فرد کو متاثر کیا وہاں ہمایوں پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا۔ اقبال کے ہاں وجدان، عقل اور عشق، اطاعت اور جماعتی احساس کے ہونے سے ان کو رومانوی شاعر کہا جاسکتا ہے۔ ان کی شاعری میں خطر پسندی بے باکی اور طوفانی جذبے کے رجحانات ملتے ہیں۔ وہ مسرت کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں کہیں وہ ان کو خودی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں وہ ان کو عمل پیم، عشق اور تب و تاب آرزو سمجھتے ہیں۔ آرزو رومانویت کی اساس ہے۔ اقبال کی شاعری میں سوزوگداز افسردگی کی بجائے تندی کے خواں ہونے کا جذبہ کارفرما ہے۔ وہ نطشے سے زیادہ قریب ہیں۔ مزید ان کے ہاں فرد کا رویہ، فلسفہ خودی، مردِ مومن کا تصور یہ سب رومانیت کے دائرے میں ہیں۔ ان کے ہاں فرد کی تکمیل، نظام میں تغیر، وجدان، آرزو، حیات، عشق اور عمل مجلسی اکائیوں سے اعلیٰ ہے۔ مزید براں شوکت پاستاں کا تصور قرونِ وسطیٰ سے متعلق تلمیحات، ضرب کلیم کی داستانیں، مذہبی ماورائی اعتقادات کی فضا، حضر کی خجستہ گامی اور ان کے طرز بیان میں رومانویت کے نقوش میں اضافے ہیں۔ اقبال کی شاعری ان کے فلسفیانہ ذہن اور فکر کی نمائندگی کرتی ہے اور رومانوی عناصر کو فکر و فن میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ فطرت سے قربت، اسکی عکاسی، مشق و فرد کی کشمکش، ذہنی آسودگی، ماضی کی یادیں، فلسفہ خوری اور مرد مومن کا تصور یہ سب رومانویت کے زیر اثر ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظمیں "ہمایوں جنوری ۱۹۲۲ء اور خاموشی مارچ ۱۹۲۲ء" وغیرہ میں رومانوی اثرات موجود ہیں۔

انور سدید بھی اقبال کو اردو شاعری کا اولین اہم رومانی شاعر مانتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

> "اردو شاعری میں اقبال نے انسانی احساسات کو فطرت کے پر اسرار عمل سے پہلی مرتبہ روشناس کرایا اور اس کی تنہائیوں میں کھو جانے کی بجائے فطرت کی منہ زور قوت سے زندگی کو تحرک اور تازگی عطا کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کو رومانی تحریک کا اولین اہم شاعر شمار کیا جاتا ہے"۔[۲۲]

ابوالکلام آزاد نے نثر کو نثریت سے آزاد کر کے ایک نئے اسلوب کی بنیاد رکھی۔ ان کی نثر رومانوی انانیت، تخیل کی فراوانی اور شدتِ جذبات کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آزاد کی نثر جذباتی وفور سے معمور ہے اور وہ فکر کی میانہ روی اور اعتدال پر غالب آجاتی ہے اسلوب کے حوالے سے آزاد کو تخیل کے اعتبار سے آذر کہا جاسکتا ہے ان کی یہی انفرادیت پرستی میں مغربی رومانونیت کی جھلک نمایاں طور پر ملتی ہے۔ البتہ تخیل ان کا مشرقی انداز فکر کا حامل ہے۔ ابوالکلام آزاد کا روزنامچہ اگست ۱۹۲۲ء کو شائع ہوا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

حجاب امتیاز علی کی کہانیاں مشرقی انداز کی حامل ہیں اور ان کو ایک خاص واحد متکلم کے صیغے میں لکھی گئی ہیں۔ مشرقی پس منظر میں خالص مغربی انداز و آداب حجاب کے ہاں ملتے ہیں۔ قدرتی مناظر کے بیان ان کی تحریروں میں نظر آتی ہیں اور نیچر کے بیان سے ہر افسانہ معمور ہے۔ حجاب کے ہاں حقیقت محبت اور عشق صوفیانہ تصور سے جداگانہ ہے۔ تلاش حسن اور محبت ان کے ہاں حسن کا دوسرا نام ہے اور یہی حاصل کائنات ہے۔ ہمایوں میں ان کا "چغتائی کی شہزادی زیب النساء مئی ۱۹۵۴ء اور اُن کا افسانہ غم کی سہار جنوری ۱۹۴۹ء" میں رومانوی اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

محمد داوٗد خان اختر شیرانی کا شمار اردو زبان شعرا کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔ ان نظموں میں ایسی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے جو راہ فراریت کی طرف گامزن ہیں۔ مگر تمناؤں، آرزوؤں کی خواہشات، ارمانوں کے خونین مناظر پر نغمگی سرور اپنا مرحم بھی رکھے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے کمال فن پر دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں ماحول سے بیزاری، نجات کی تمنا، حسنِ فطرت کی تلاش، مطمئن القلوب کی آرزو، محبت اور امن وآشتی جیسے مضامین پائے جاتے ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظم "جہاں ریحانہ رہتی تھی نومبر ۱۹۳۳ء" میں رومانوی اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اختر اورنیوی نے اختر شیرانی کے اندازِ بیان اور اسلوب کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

> "اختر اس دنیا سے ہجرت کر کے ایک دوسری دنیا میں پھلوں سے بسی ہوئی دنیا میں، حسن ورعنائی کی دنیا میں، شراب وشباب کی دنیا میں چلا جانا چاہتا ہے، تاکہ اس کی روح کو سکون نصیب ہو"۔ [۲۳]

اختر نے اپنی شاعری میں اپنے عشق کو تخیلاتی ثابت کیا ہے۔ ان کے اسلوب میں تغیرات حالات کی آرزو تو ہے مگر آلامِ روزگار کے سبب وہ تخیلاتی پرواز کے مسافر ہیں۔ وہ اپنے کرب کو حسن درمان کے خوش نما غلاف میں رکھ کر رومانوی شاعری کے ذریعے تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں محبت، ایثار، ہمدردی، اخوت، خلوص، حسن وکیف کی بہار آفرینی قلبی وابستگی موجود ہے۔ قلبی احساسات اور بے ساختہ جذبات کا ایک سیل رواں ہے جو مسائل کو ختم کر دیتا ہے یہ وصف کیٹس کی شاعری کے مماثل ہے۔ اختر کی رومانوی شاعری میں تخیل کی جولانیاں، پیکر تراشی، سراپا نگاری اور لفظی مرقع نگاری، بے مثال ہے۔ زبان وبیان پر خلاقانہ دسترس منفرد اسلوب، مسحور کن کیفیت جذب دروں اور فکر واحساس پر عمیق اثرات مرتب کرتی ہے۔ معنویت، ترنم، موسیقت اور بے کراں محبت کو اپنی رومانوی شاعری میں جگہ دی ہے۔ انہوں نے عشق کو محوری حیثیت دے کر، محاکاتی اور دلکش تخلیقی فعالیت کو روبہ عمل لا کر لطیف انداز میں پیش کیا ہے۔ اختر شیرانی کی رومانوی شاعری میں عورت ایک نفسیاتی کل کے روپ میں موجود ہے۔ اور وہ اسے اپنے لاشعوری رجحانات کی تسکین کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اختر کے ہاں جمالیاتی منزل کا لطیف نام ہے۔ سلمیٰ! عورت، اس کا حسن، محبت کو وہ کائنات کا حاصل سمجھتے ہیں ان کے کلام میں فطرت کے زمزمے ملتے ہیں لیکن ان میں ورڈزورتھ کی تعلیم نہیں ایک جمالیات پرست عاشق کی ماورائیت ہے۔ ان کے ہاں مناظر فطرت، رقص کی محافل، حسن عشق کے معاملات جیسے لطیف جذبات موجود ہیں۔ انہوں نے جمالیات کو معبود نہیں بنایا بلکہ اس سے فیضِ اکتساب حاصل کیا، ان میں لذتیت، رچاو، حسن کاری، حسن آفرینی کا احساس، قربت کا احساس، ماورائی سرمستی اور تصور پرست کیفیت کا پرستار موجود ہے۔ اختر نے اپنی شاعری میں ایک صحت مند عشق اور غیر مریضانہ جنسی دل بستگی کا اظہار کیا ہے۔ اختر کے جذبات کی آبیاری شیلے کی بے تابی، کیٹس کی حسن پرستی اور بائرن کے رومانوی جوش نے کی ہے۔ اختر کی شاعری میں دو اہم موضوعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک دور افتادہ موہوم بستیوں کی تلاش جو ساری دنیا اور مافیہا سے علیحدہ ہوں اور دوسرا خاص موضوع قوم پرستی اور وطنیت ہے۔ انہوں نے مغربی سائیٹ کو ایک ہلکے پھلکے انداز میں اختیار کر کے اُردو شاعری کو نیا موڑ دیا ہے۔ ہجر کے تنوع اور ارکان والفاظ کی نئی ترتیب سے بھی اختر نے کام لیا ہے۔

حفیظ جالندھری کی شاعری میں رومانویت اور علی تشخص کے موضوعات ملتے ہیں۔ ٹیگور کی سادگی، مغرب کی رومانوی شاعری کے اثرات نے ان کے اسلوب کو مشرق ومغرب کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ ان کی شاعری میں حسن ورومان، لفظی مرقع نگاری، فطرت نگاری جذبات نگاری، جذبے ور خلوص اور تخیل کی بلند پروازی، مشرقی اقدار کے پہلو، سادہ زبان، لطافت وحلاوت اور شیرینی جیسے جذبات دیکھنے کو ملتے ہیں ان کی شاعری کے متنوع مضامین میں خود نظری، استغنا، طلب، تونگری، عہد شباب کی بے فکری، نازک خیالی، مسرت اور کرب کے احساسات، فاقہ کشی، حسرتیں، جستجو، سسکیاں اور قہقہے پائے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

جاتے ہیں۔ اسطرح ان کے رومانوی مزاج سے اردو شاعری کو موضوعاتی تنوع ملا۔ ان کے تجربات اور احساسات کا منفرد انداز فکر اور اسلوب قابل توجہ رہا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں سادہ اور دلکش ہیں۔ وہ ماورائیت کے بجائے ارضیت اور سماجی پس منظر کی سادگی سے کام لیتے ہیں ان کی نظمیں گیت روح کے لحاظ سے رومانوی ہیں۔ حفیظ کے شاہنامے نے رومانیت کے رجحان کو پیش کیا ہے۔ حفیظ نے فکر اور تخیل کی بجائے جذبات کو ترجیح دی ہے ان کی شاعری بیک وقت رومانویت کے سادہ ترنم اور اسکی سطحی جذبانیت دونوں کی مظہر ہے۔ ہمایوں میں ان کی نظم "عزم کا دریا نومبر ۱۹۵۶ء، پاکستان کا قومی ترانہ ستمبر ۱۹۵۴ء، جاگ سوزِ عشق جاگ، جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی اور اُن میں رومانوی اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

میراجی وزیر آغا اپنی رائے میراجی کے متعلق اسطرح پیش کرتے ہیں:

> "اُردو نظم میں میراجی وہ پہلا شاعر ہے جس نے محض رسمی طور پر ملکی رسوم، عقائد اور مظاہر سے وابستگی کا اظہار نہیں کیا اور نہ مغربی تہذیب سے ردِ عمل کے طور پر اپنے وطن کے گن گائے"۔ [۲۴]

میراجی نے عورت کو ارضی بنا کر پیش کیا ہے اس ارضیت کو سمجھنے کے لئے سعی کریں کہ کس طرح میراجی نے اس ماورائی کردار کو اپنی شاعری کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظموں کے اشعار سے تلازمے بنتے ہیں۔ مسمی ارضی عورت کی تصویر بنتی ہے۔ وہ عورت کو جائز و ناجائز، چھیڑ چھاڑ کے قائل نہیں وہ تو اس سے آسودگی حاصل کرتے ہیں بلکہ وہ تو عورت کو مرد کے بھید کی رکھوالی کرنے والا کردار ثابت کرتے ہیں ان کے بلفظیات کی امیجری قابل دید ہے۔ میراجی ایک ایسی تہذیب کے دلدادہ ہیں جو حلقہ ارباب ذوق کی نظموں اندر ترقی پسندوں کی نظموں میں تہذیبی مزاج کے تضاد سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسی تہذیب کے متلاشی ہیں جب انسان کو بے لباس اور جنسی آزادی حاصل تھی۔ ہمایوں میں ان کی نظم "جل کی ترنگ ۱۹۳۷ء، ایک شکاری ایک شکار نومبر ۱۹۵۲ء، چنچل جنوری ۱۹۳۸ء، الاؤ پر رات کا گیت اکتوبر ۱۹۳۸ء وغیرہ میں رومانوی اثرات موجود ہیں۔

ن۔م راشد کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ بھی میراجی کی طرح جنسی آسودگی کے قائل وہ محبت کو مادی کیفیات میں تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میراجی اور راشد کی اس جنسیاتی حس اور اسکی آسودگی کو سلیم احمد "پورے آدمی کے روپ" میں دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "------------راشد اپنی محبوبہ کی اصلیت بھی جانتا ہے اور محبت کی بھی۔ اسے معلوم ہے کہ محبت صرف گل بھیاں کرنے کا نام نہیں ہے۔ نہ دامن میں پھول، چاند، ستارے وغیرہ لے کر محبوبہ کو پیش کرنے کا۔ وہ جانتا ہے کہ محبت کا معاملہ دامن کے نیچے تک جاتا ہے"۔ [۲۵]

راشد کے ہاں رومانویت جب احتجابی رنگ اختیار کرتی ہے تو وہ قدرے مختلف نظر آتی ہے آزاد نظم کو مقبولیت راشد کے ہاں ملتی ہے اور شعری آہنگ کو متعارف کرنے والے راشد ہی ہیں۔ تہذیبی گھٹن اور بے بسی احتجابی روپ انفرادیت کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے۔

ساغر نظامی نے اپنے رومانوی مسلک کا رومانوی اظہار شاعری میں کیا۔ ان کے انداز بیاں میں درد انگیز نالے، عشق و محبت اور حس و رومان دلفریب نغموں کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاں عورت رومانوی مزاج کی ایک بہترین مثال ہے۔ عورت خداوندِ قدوس کی شاہکار تخلیق ہے ان کی شاعری کے موضوعات حسن و عشق ہیں وہ قوم پرست، انسانی دوستی، رومانویت اور حسن عورت ہیں ان کی شاعری میں نرگسیت، اناپرستی اور خود پسندی موجود ہے۔ ساغر نظامی کی شاعری میں ندرت کا فقدان ہے البتہ کہیں کہیں اپج موجود ہے اور اس میں تقلیدی رنگ نمایاں نظر آتا ہے ان کی نظموں میں جوش اور حفیظ کا انداز ملتا ہے وہ فکر سے بے فکر اور احساس سے مالا مال ہیں۔ فلسفیانہ رنگ ان کی شاعری میں جزو نہیں ہے۔ ان اشعار میں ساغر کی شاعرانہ خوبیاں موجود ہیں ان کی شاعری میں نغمے کو نئی ترتیب ملی ہے۔ جس سے وہ ممتاز ہوئے ہیں ان کی شاعری رومانویت کے مجموعی آہنگ کا ایک حصہ ہے۔ ہمایوں میں ان کی نظم "افشارِ جذبات اپریل ۱۹۲۴ء، صبوحی ستمبر ۱۹۳۳ء" وغیرہ میں رومانوی اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

احسان دانش کی رومانی شاعری میں زندگی کے تلخ حقائق، جذبات کی صداقتوں، مفلوک الحال طبقات سے اظہار ہمدردی، بے روز گاری، غرب، جبر، ناداری، محنت کشوں کے مسائل جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ احسان دانش نے معاشرے کے پسماندہ طبقے کے حالات، معاشی اور اقتصادی زبوں حالی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اور ان کے مصائب و آرام کو نہایت سنجیدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی رومانویت میں ان کے ذاتی تجربات، مشاہدات، خلوص دردمندی، قلبی جذبات و احساسات شامل ہیں۔ ان کی ہمایوں میں شائع شدہ نظم "محبت جون ۱۹۳۷ء، صبح بنارس اپریل ۱۹۴۲ء" میں رومانویت اپنی جوبن پر تھے۔ تشبیہ واستعارہ کا بر محل استعمال پوری قوت اور حیرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ منظر نگاری اور حقیقی معنویت ان کی نظم "محبت" میں موجود ہے۔

احسان دانش کی شاعری کا دائرہ کار منفرد ہے وہ اپنی شاعری کی بنیاد زندگی کے تلخ حقائق کو بے نقاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خطابت اور تخاطب کا انداز، خود فراموشی کی جگہ تلقین، زیر لب کی جگہ بلند آہنگی نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ ماورائیت کی جگہ ارضی نقشے کو اہمیت دیتے ہیں۔ تلخی حقائق کو عیاں کرنے کے لئے انہوں نے تصوراتی خاکے اور کہانیاں تخلیق کی ہیں۔ کردار نگاری اور مؤثر شخصیات کا فقدان ہے۔ ان باتوں کی جگہ تقریر، تنوع اور حقیقت پسندی کی بجائے نقاد کو رومانوی جذباتیت کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ خارجی مناظر کے بیان میں کامیابی حاصل کی لیکن جذباتی غلو کی وجہ سے ان کی نظمیں طوالت کا شکار ہوگئی ہیں۔

روش صدیقی ابدی خوشی، دائمی مسرت، پیہم راحت اور غیر مختتم کامیابی کو حسن کے ساتھ اپنی شاعری میں منسوب کرنا والا شاعر روش صدیقی ہے اور ان کی شاعری کے تمام جزئیات رومانونیت کے اظہار کے لئے کافی ہیں۔ والہانہ محبت، قلبی لگاؤ ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان کی شاعری میں تین موضوعات اہم ہیں۔ ایک فطرت کے خارجی مناظر کا بیان دوسرا عشقیہ شاعری جس میں عشق اور حسن کا تصوراتی اور خیال فلسفہ موجود ہے۔ تیسرا رومانوی ماضی پرستی، بیداری مشرق اور ایشیاء ہے۔ روش محبوب کو حسن کی دیوی تو سمجھتا ہے لیکن ذہن کا باشندہ تصور نہیں کرتا۔ تصوراتی جمال پرستی کے قائل ہیں۔ ایشیاء کو روشن کل کائنات کا روحانی اور فکری رہنما دیکھنا ہے ان تینوں موضوعات میں رومانوی فکر کے نمایاں نقوش ملتے ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظم "نوائے راز ستمبر ۱۹۲۷ء، رات کے دو منظر ستمبر ۱۹۳۳ء، بابِ محبت پر جولائی ۱۹۳۴ء، اے محبوب ستمبر ۱۹۴۱ء، آہ میری جان آہ مارچ ۱۹۲۷ء" اور ان کی غزلیات میں بھی رومانوی اثرات موجود ہیں۔

اختر انصاری دل شکستگی، ہجر و فراق کے جذبات، غم دوراں، وفا کی باتیں، دلکش تذکرے جو حسن و عشق اور شباب کی رنگینیوں پر مشتمل ہیں۔ یہ سب اختر انصاری کی شاعری کے خوبصورت رومانوی موضوعات ہیں۔ اختر انصاری کے ہاں تخیلاتی دنیا کا واضح تاثر موجود ہے جہاں راحت کی فضا، حالات کے واقعات، سکون قلب، مستقبل کے امکانات، جذباتی مدوجزر کی کیفیت اور محبت کے بے ساختہ جذبات کا خوبصورت عکس موجود ہے۔ وہ زمینی فاصلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اپنی آنکھوں میں خواب انتظار لیے رکھتے ہیں۔ ٹامس کیمبل کا ایک مشہور مصرع ہے:

"فاصلہ نظارے کو ایک طلسمی کیفیت بخش دیتا ہے"۔[۲۶]

عبدالرحمان بجنوری نے رومانوی تنقید نگاری میں اہم مقام کیا اور رومانوی کے عملی اور نظری مباحث کو اپنی تحریروں میں جگہ دی ہے۔ ان کے اسلوب میں تنقیدی اساس وجدان اور جذبات پر ہے۔ ادب برائے ادب کے مقلد ہیں اور وہ مسرت کو ہی اپنا نقطۂ نظر سمجھتے ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظم "جوگی کی صدا اکتوبر ۱۹۲۷ء" میں شائع ہوئی جس میں رومانوی رنگ جھلکتا ہے۔

حامد اللہ افسر نے اپنی شاعری کو ٹیگور کے زیر اثر کیا اور سادہ شیریں جذبات کی عکاسی کو مقصد بنایا اور اپنے نغمات کی تزئین و آرائش، ردیف قافیہ، ترنم اور ترتیب میں کچھ ضروری اجتہاد کو بھی شامل کیا۔ وہ فکر کی بجائے لطافت احساس کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہمایوں میں ان کی نظموں میں "وطن کا راگ دسمبر ۱۹۲۲ء، کاغذ کی ناؤ ۱۹۲۴ء، صبح کا تارا اور شبنم ستمبر ۱۹۴۳ء" میں رومانوی اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

فیض احمد فیض کلاسیکی شاعری کو بڑی احتیاط اور قاعدے قوانین اور قرینے سے پیش کرتے ہیں۔ احتجاجی رنگ ان کی نظموں میں کم اور غزلوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ فیض کی شاعری دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ میں رومانی اور عشقیہ قسم کی شاعری پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ رومان سے انقلاب یا سیاست کی طرف لے جانے والی نظموں پر مشتمل ہے۔ ہمایوں میں ان کی نظموں میں "شام ۱۹۵۸ء، تسلی ۱۹۴۱ء" میں رومانوی انداز دکھائی دیتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

سر دار احمد جعفری رومانوی تحریک جب احتجاجی رنگ اختیار کرتی ہے تو سر دار احمد جعفری کی شاعری میں بھی احتجاجی لے واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ ان کی ابتدائی شاعری میں جہاں خطیبانہ عکس نظر آتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ان کا احتجاجی آہنگ ہے اور بعد ازاں یہ ختم ہو تا جاتا ہے۔ سر دار احمد جعفری کی ترقی پسند شاعری اور انقلابی شاعری کا بنیادی آہنگ دراصل اس کی بنیاد بھی رومانوی شاعری پر ہے اور جب رومانویت کم ہو جاتی ہے تو وہ خطیبانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

اختر الایمان عہد جدید میں احتجاج کی نمایاں ساخت اختر الایمان کی نظموں میں بڑی شان سے ابھرتی ہے۔ ان کی نظموں میں بے انصافی، لاقانونیت، حبس زدہ نظام کی گھٹن کے خلاف بڑے جوش کے ساتھ احتجاج پایا جاتا ہے۔ ہمایوں میں ان کی نظموں میں ''انتظار جولائی ۱۹۵۵ء، عہدِ وفا ۱۹۵۱ء'' میں رومانوی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

احمد ہمیش کی شاعری کا طرز میراجی کے ڈھنگ سے مماثلت رکھتا ہے ان کے ہاں روایت سے پر سرپیکار ہونے کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے اور ان کی شاعری میں جنسی ہیجان نظر آتا ہے۔ احمد ہمیش کی غزلیں ہمایوں کی زینت بنی جن میں

''کہتے ہو کہ اب مجھ پہ جفا بھی نہ کرو گے ،

اے جانِ وفا خوفِ خدا بھی نہ کرو گے''

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں رومانوی انداز پایا جاتا ہے۔

اس جنسی ہیجان کو عقیل احمد صدیقی وقت کا تقاضہ بتاتے ہیں:

> ''کچھ لوگ اس رجحان کو 'اشتہار بازی' یا مریضانہ فعل' قرار دیں گے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اظہار جہاں جذباتی کتھارسس کا وسیلہ ہے وہیں خود شناسی کا بھی۔ نئے شاعروں نے جبلت کے اس نوع کے اظہار میں بے بے کی سے کام لیا ہے۔ جس کا سبب سماجی اور نفسیاتی دونوں ہیں''۔ [۲۷]

موضوع کے اعتبار سے ہمایوں میں کئی شعر ارومانیت کے علمبر دار ملیں گے جن کے ہاں رومانی نقش ضرور ملیں گے۔ لیکن ان کا مجبوراً ذکر نہیں ہو سکا اور ان کا شمار اچھے نظم نگاروں میں ہو تا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عبداللہ سید، ڈاکٹر، مباحث، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۱۵ء، صفحہ ۳۹۲

۲۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، کتابیات، لاہور، قلعہ اول ۱۹۶۶ء، ص ۳۱۸

۳۔ پاشا رحمان، تخلیقی ادب، عصری مطبوعات، کراچی، جلد اول، ۱۹۸۰ء، ص ۱۶۱

۴۔ شارب وولوی، جدید اُردو تنقید اصول و نظریات، کتاب پبلیشرز، لکھنو، ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵-۱۵۶

۵۔ A History of Modern Criticism by Wellek Vol-2 Page 3

۶۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، کتابی دنیا، دہلی ۲۰۰۸ء، ص ۵۱-۵۰

۷۔ عبداللہ سید، ڈاکٹر، اُردو ادب ۱۸۵۷ء تا ۱۹۶۶ء، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۶۷ء، ص ۵۳

۸۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۸۶

۹۔ اسلوب احمد انصاری، علی گڑھ اور رومانی نثر کے معمار، علی گڑھ نمبر ص ۱۲۳

۱۰۔ شارب ردولوی، جدید اُردو تنقید اصول و نظریات، ص ۱۶۰

۱۱۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، ص ۱۹۳

۱۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، بحوالہ مباحث، ص ۳۹۲

۱۳۔ ہمایوں فروری، ۱۹۳۱ء

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

۱۴۔ انشائے لطیف، ہمایوں شمارہ مئی ۱۹۳۴ء

۱۵۔ ہمایوں دسمبر ۴۰، ص ۸۲۴

۱۶۔ ہمایوں ۱۹۴۲، ص۹ ۲۷

۱۷۔ ہمایوں ۱۹۲۲ء

۱۸۔ سجاد حیدر یلدرم، افسانہائے عشق، مارچ ۱۹۲۲ء، ص ۴۰

۱۹۔ ایضاً، مارچ ۱۹۲۲ء، ص ۳۶

۲۰۔ سجاد حیدر یلدرم، ہمایوں،

۲۱۔ دبستان ص ۱۴

۲۲۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۸ء، ص ۴۴۴

۲۳۔ اختر احمد اورینوی، کسوٹی، مکتبہ خیال، بانکی پور، پٹنہ، صفحہ ۶۴

۲۴۔ وزیر آغا، نظم جدید کی کروٹیں، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ص۴۹-۴۸

۲۵۔ سلیم احمد، نئی نظم اور آدمی، ص ۳۴، اور جدید تنقید، شارب ردولوی، ص۲۳۸

۲۶۔ محمد ہادی حسین، مغربی شعریات، مجلس ترقی و ادب، لاہور طبع اول، ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۵

۲۷۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اُردو نظم، نظریہ و عمل، ص ۴۴۷